انیس ناگی کی ناول نگاری

قیصرہ ناہید

ABSTRACT:
Influenced by Albert Camus, Sartre & Franz Kafka , Anis Nagi wrote 13 novels. He showed forward as a good History student when posted as the incharge of record office at the Civil Secretariat Punjab. He was well aware of the judicial system and situation of hospitals of Pakistan. This is why such scenarios can be observed dearly in his novels. He, being an eye witness of partition 1947 to the fall of Dhaka in 1971, could easily analyse the entire circumstances which of course he did in his novels. He was a neglected child in his childhood and had to face a disturbed marital relationship as well. This is why he was self-complacent and this reflection can be easily observed through the self-centered characters in his novels.

انیس ناگی نے ایک درجن ناول لکھے: ''دیوار کے پیچھے'' (۱۹۸۰ء)، ''میں اور وہ'' (۱۹۸۳ء)، ''زوال'' (۱۹۸۹ء)، ''ایک گرم موسم کی کہانی''(۱۹۹۰ء)، ''ایک لمحہ سوچ کا'' (۱۹۹۱ء)، ''محاصرہ'' (۱۹۹۲ء)، ''قلعہ''(۱۹۹۴ء)، ''چوہوں کی کہانی''(۱۹۹۵ء)، ''کیمپ'' (۱۹۹۸ء)، ''ناراض عورتیں''(۲۰۰۴ء)، ''۳۱۳ بریگیڈ''(۲۰۰۷ء)، ''پتلیاں''(۲۰۰۷ء) اور ''سکریپ'' (۲۰۱۰ء)۔

ان کے بیشتر ناول البیرکامیو، سارتر، آندرے ژید اور فرانزکافکا کے زیرِ اثر بحران میں پنپنے والی وجودی صورت حال کے عکاس ہیں۔ انیس ناگی نے محض واقعات کی ناول نگاری نہیں کی۔ ان کے ناولوں کی دنیا، ہم عصریت کی ''بُو باس'' سے مملو عہدِ جدید کی سانس لیتی اور ہر لمحہ بدلتی ہوئی زندگی ہے، جس میں تاریخ کا عمیق مطالعہ شامل ہوتا چلا گیا ہے۔

اُن کا پہلا ناول: ''دیوار کے پیچھے'' (۱۹۸۰ء) ، ایک فرد کا المیہ بھی ہے اور پوری قوم کا المیہ بھی۔ یہ تیسری دنیا کے ہر ذی شعور فرد کی جانی پہچانی زندگی ہے۔ یہ بہ ظاہر ایک پروفیسر کا المیہ ہے لیکن اس میں غور طلب اور قابل توجہ معاملات بہت سارے ہیں، از قسم گھریلو الجھنیں، عدالتی نظام کی خرابیاں، جھوٹے گواہوں کا احوال، انتظامیہ کی ناقص کارکردگی، طوائفوں کے کوٹھوں کا حال اور ہسپتالوں کی حالت زار۔ غرضیکہ کامل اندھیر نگری ہے۔ کیا کوئی مرد آہن جنم لے گا، جو انقلاب لا کر کایا پلٹ دے؟ اس لیے کہ یہ اندھا بہرا سماج اس دیوار کے پیچھے جھانکنے کی سعی نہیں کرتا ، جہاں انسانیت سوز سازشیں ہو رہی ہیں۔ ہم اس ظلم و ستم کے خلاف آواز اٹھانے کے قابل نہیں ، آخر کیوں؟ یہ

اس ناول کا بنیادی قضیہ ہے۔ یوں یہ ناول فرد کی شکست خوردگی اور معاشرتی انتشار کا عکاس ہونے کے علاوہ دعوتِ فکر دیتا ہے۔

انیس ناگی ، اس تخلیقی تجربے کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''ایک ہی ذہن سے نکلتے ہوئے تخلیقی راستے کسی ہیئتی یا فنی تخصیص کے محتاج نہیں ہوتے... اصل مسئلہ تخلیقی تجربے کی معنوی حیثیت کا ہے کہ وہ کس حد تک اپنے جائز وجود کا جواز فراہم کرتی ہے۔ کیا اس کی موجودہ شکل اس کی آخری اور حتمی شکل ہے؟ یہ معیار ناگزیر طور پر تخلیقی تجربے کے عصری رابطوں اور تہذیبی کنایوں کو اولاً زیر بحث لاتاہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ معاصر زندگی میں مسائل کی فوریت کا تعین کرتاہے اور دوسری طرف یہی تخلیقی تجربہ اپنی لسانی شناخت کا تعارف کراتا ہے......میں اس عظیم تخلیقی سلسلے کی آڑ میں اردو کے پرانے اور ''نئے'' ناول کی تردید کا خواہش مند نہیں ہوں بلکہ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اردو میں ناول کی ایک منطقی شکل ہے جس میں واقعات اور کرداروں کی مضحکہ خیز مثلثیں قائم کی جاتی ہیں۔ لیکن آغاز، ایک انجام اور کرداروں کے میکانکی ارتقاء کو تصور کیا جاتاہے۔ ان تمام تصورات کی شکست و ریخت ضروری ہے -''(۱ (

ناول میں ایک پروفیسر ہر معاملہ میں بلا خوف و جھجک اپنی رائے کا اظہار دلیری سے کیا کرتا تھا۔ جس کے نتیجہ میں بعض لوگ اس سے چھیڑ چھاڑ کر کے محظوظ ہوتے اور بعض اسے بیرونی ایجنٹ خیال کرتے۔ اس کے طرزِ عمل کی وجہ سے اسے ''سرخا یا کمیونسٹ'' ہونے کے شبہ میں ملازمت سے الگ کر دیا گیا اور اس کے گھر والے بھی اس سے تنگ آ گئے۔ پروفیسر فطرت و مذہب سے برگشتہ، اجتماع سے لاتعلق اور رشتوں کا شاکی ہے۔ اس کا یہ جرم ہے کہ وہ جاننا چاہتا ہے اور سوالات کھڑے کرتا ہے۔ یوں ہر شخص اس سے کنارہ کرنے لگا اور وہ اکیلا رہ گیا ۔ اس لیے کہ کوئی اس نظام کو بدلنا ہی نہیں چاہتا۔ جب کہ وہ زندہ رہنے کا حق چاہتا ہے، پر نظام ایسا ہے کہ اسے یہ حق ملتا ہی نہیں۔ وہ شروع شروع میں بہت مزاحمت کرتا ہے مگر آہستہ آہستہ اسی زوال کا حصہ بن جاتا ہے۔ تب اسے پتہ چلتا ہے کہ سوسائٹی کا جبر و استحصال کس طرح ایک فرد کو اپنے سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔ اسی حوالے سے قاضی جاوید کہتے ہیں:

''اس ناول کو پڑھنا عصری زندگی کے پورے کرب سے گزرنا ہے۔ یہی وجودی بحران کا نقطۂ آغاز ہے۔''(۲(

لایعنی کائنات میں کسی سوال کا جواب موجود نہیں۔ جواب سے محروم رہنا سوالات کا مقدر ہے۔ پروفیسر نہیں جانتا کہ اس کا جرم کیا ہے۔ اس سے باز پرس کرنے والا کون ہے اور وہ کس کے روبرو جواب دہ ہے۔ یوں ناول کے مرکزی کردار کے حوالے سے وجودی فلسفے کے تحت یہ ثابت کیا گیا ہے کہ انسان روحانی طور پر مر چکا اور وجودی طور پر وہ ایک بیکار پرزہ ہے۔ اپنے کسی فعل پر اختیار نہیں رکھتا۔

بہ قول قاضی جاوید:

''انیس ناگی کا پروفیسر لایعنی کائنات میں بلا جواز پھینکا ہوا اینٹی ہیرو ہے۔ وہ برگشتگی کی تجسیم ہے۔ روحانی طور پر جلاوطن، بے جڑ بے خانماں اور بے ایمان ہے۔ فطرت سے برگشتہ ، مذہب سے

محروم اور اجتماع سے لاتعلق ہے۔پروفیسر کے روپ میں انیس ناگی نے لایعنیت کا راز افشاکیا ہے... بسا اوقات تو ہیرو کا کرب ہمارے لیے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی حقیقت میں ہم سب کا بھید پوشیدہ ہے۔ اس کے حوالے سے ہم اپنے اپنے وجود کے تجربے سے از سر نو دوچار ہوتے ہیں۔''(۳(

انیس ناگی کو اس معاشرے کے مختلف طبقوں اور اداروں کا شعور حاصل ہے۔ بہ طور پی سی ایس آفیسر وہ جانتے ہیں کہ بیوروکریسی میں افسر اور ماتحت کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔ اُنہوں نے زندگی کی ایسی ایسی تصویریں پیش کی ہیں جو طرح طرح کی بد دیانتی کو بے نقاب کرتی ہیں۔ قدم قدم پر انسان کا ضمیر چھلنی ہوتا ہے اور وہ روحانی موت مرتاہے۔ ناول سے پروفیسر کی خود کلامیاں ملاحظہ ہوں:

...''اوہ، کیسا بے اجر عہد ہے جو مجھے ایک اضطراب کے علاوہ اور کچھ نہیں دے سکا ہے۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں اس عہد کی قید میں ہوں۔ اس قید سے نکل سکتا ہوں لیکن اس راستے پر میرا سایہ ہی ایک حریف کی طرح راستہ روکے ہوئے ہے۔ میری قید اور رہائی میں اس سارے عہد کے سوالات چھپے ہوئے ہیں۔ ان سوالات کو کون ایک علم کی طرح اٹھائے کہ عہد زوال ہے، کیسا زوال؟ ایک نظام کا جو ایک مرتے ہوئے آدمی کی مٹھی کی طرح کھلتا جا رہا ہے...''(۴(

ناول میں یہ بیان کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔ اس کردار کی سوچ میں اتنا الجھاؤ ہے کہ یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ناول نگار اس کردار سے کس قسم کا کام لینا چاہتے تھے۔ ہر کردار خاصی حد تک تضادات کا مجموعہ ہے۔ کبھی تو وہ یہ اعتراف کرتا ہے کہ دنیاوی جکڑ بندیوں کے سامنے ہتھیار پھینک چکا ہے اور دوسری طرف وہ بہادری سے ثابت قدم رہنے کے عزائم ظاہر کرتا ہے مگر تھوڑی دیر بعد ہی وہ حالات کے ساتھ سمجھوتا کرتا نظر آتا ہے۔ اس کردار کا نہ تو کوئی نصب العین نظر آتا ہے اور نہ ہی کوئی مطمع نظر۔ یہ ایک طرح سے اس عہد کی لایعنیت ہے، جو اس کردار کے اندر رچ بس گئی ہے۔ اس عہد کا سفلہ پن اور رشتوں کی ٹوٹ پھوٹ، اس طرح کا کردار ڈھال رہی ہے۔ فرد اپنے شناخت سے عاری ہوتا جا رہا ہے۔ یہ بے شناخت کردار اپنے تئیں عضویاتی کُل کی حیثیت بھی کھو بیٹھا ہے۔ اس سوسائٹی کا ہر فرد بے بس ہے اور زمانے کو بے نقاب کرنا پروفیسر احمد کا مشن ہے لیکن اخلاقی قدریں اتنی بکھری ہوئی ہیں کہ وہ خود اس بکھراؤ کا شکار ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خاں، اس ٹوٹ پھوٹ کے شکار کردارکا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پروفیسر شروع سے آخر تک ایسی شخصیت ہے، جس میں سچ بولنے کا سودا سمایا ہوا ہے وہ بھی ایک ایسے معاشرے میں کہ جس میں افراد کی اکثریت حق گوئی، سچائی اور حقیقت پرستی کو اہمیت تو دیتی ہے لیکن صرف زبانی یا کتابی حد تک مگر جب عمل کا وقت ہوتا ہے تو منافقت سے کام لیتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں واقعی یہ تضادموجود ہے اور اس کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں۔ گو اس پوری صورت حال سے معاشرے کی مضحکہ خیزی جھلکتی ہے اور یہ وہ مضحکہ خیزی ہی ہے کہ جس نے انیس ناگی سے یہ ناول تخلیق کرایا ہے۔''(۵(

درحقیقت انیس ناگی ہمیں اس ناول میں معاشرے کی حقیقی تصویر دکھانا چاہتے ہیں۔ اس لیے اس ناول کا مرکزی کردار معاشرے کی خرابیوں اور برائیوں پر نظر رکھے ہوئے ہے اور اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اس منافق اور چاپلوسی پسند معاشرے میں سچے انسان کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ منافق

معاشرے میں کسی حقیقت کا برملا اظہار کر دینا بغاوت بھی ہے اور سنگین جرم بھی۔ اسی لیے اس ناول کا مرکزی کردار باغی بھی قرار پایا اور معاشرے کا مجرم بھی۔ یہ ناول ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہم معاشرے کی خباثتوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ یوں بھی ناول نگار کا شروع سے اب تک یہی منصب رہا ہے کہ وہ معاشرے کو آئینہ دکھائے ۔ سچ بولے اور حقیقت کا اظہار کرے۔

مشہور ناول ''ڈاکٹر ژواگو'' کے خالق بورس پاسٹرناک نے کہا تھا:

"In every generation there has to be some fool who will speak the truth he sees it."(۶)

ایسا نہیں کہ بورس پاسٹرناک سچے لوگوں کو بے وقوف اس حوالے سے قرار دے رہے ہیں کہ وہ واقعی بے وقوف ہوتے ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جعل ساز دنیا انہیں بے وقوف تصور کرتی ہے۔ اس ناول کا پروفیسر بھی ایک ایسا ہی شخص ہے، جو اپنے نفع نقصان پر حق گوئی کو فوقیت دیتاہے۔ اس کی حق گوئی کے سبب سے بڑا نقصان اس کی بن رضیہ کا ہوا، جس کی منگنی ٹوٹ گئی اور وہ آسیب زدہ سی ہو گئی۔ اسے مرگی کے دورے بھی پڑنے لگے ۔ اسے پروفیسر سے نفرت ہو گئی ہے۔ وہ پروفیسر کو مخاطب کر کے کہتی ہے:

''نہیں میں اندر نہیں آسکتی تم ناپاک ہو، تمہارے کمرے سے کفر کی بُو آتی ہے، تم باہر مت نکلنا انھوں نے کہا ہے تم سے پردہ کروں۔''(۷)

یہی دیکھ کر ڈاکٹر خالد اشرف لکھتے ہیں:

''پروفیسر اپنے سماج کے ہر رشتے پر سے اعتماد کھو چکا ہے۔ ماں ، بہن، بھائی دوست اور عزیز اسے بے حیثیت اور بے خلوص نظر آتے ہیں کیونکہ وہ حرص و لالچ پر مبنی کلاس کی فرسودہ اقدار خے درمیان زندگی بسر کر رہا ہے۔ وہ کسی کے لیے قربانی دینا نہیں چاہتا کیونکہ وہ اس سیٹ اپ کو اب اور کچھ دینے کے لیے راضی نہیں ہے جو اس سے اس کی آزادی اور انفرادیت چھین چکا ہے۔''(۸)

پروفیسر کے اس نتیجہ تک پہنچنے سے متعلق اس کی ایک خود کلامی ملاحظہ ہو:

''میں نے بڑی دیر تک ضبط اور تحمل سے کام لیا ہے لیکن اب صبر کی سب طنابیں ٹوٹ چکی ہیں۔ منفی صورت حال میں اعلان حق کا وقت آ چکا ہے، یہ ڈان کیخوٹے کا اسلوب بے وقت کی راگنی ہے۔ میں فرض محال صداقت کا اعلان کروں تو کس لیے۔ ان کے لیے جنھیں صداقت کی ضرورت نہیں ہے ایثار و قربانی کی مثال وہاں بار آور ہوتی ہے، جہاں منفی اور مثبت میں تمیز کا سلیقہ ہو اور جرات مفقود نہ ہو۔''(۹)

اس نامنصفانہ و غیر متوازن سوسائٹی میں پروفیسر جیسے باشعور لوگ یا تو پاگل ہو جاتے ہیں یا الکوحلک۔ یہ تنہا اور کٹے پھٹے افراد اپنی ذات کے نہاں کانوں کے اسیر ہوتے چلے جاتے ہیں اور بالآخر خودکشی کر جاتے ہیں۔ پروفیسر نے بھی یہی کیا لیکن مزید دُکھ برداشت کرنے کے لیے اس کی جان بچا لی گئی۔ پروفیسر کا اقدام خودکشی فرانزکافکا کے ناول ''دی ٹرائل'' اور البیرکامیو کے ناول ''اجنبی'' کے مرکزی کرداروں جیسا ہی ہے۔

ناول ''دیوار کے پیچھے'' کے بعد انیس ناگی نے دوسرا ناول ''میں اور وہ'' لکھا جس میں ''دیوار کے پیچھے'' کے مرکزی کردار کی طرح ہی کا ایک کردار ہے، جو معاشی ناہمواری اور قنوطیت کا شکار نظر آتاہے۔ یہ کردار بھی سماج سے سمجھوتہ نہیں کر پاتا اور ہر جگہ نامراد نظر آتاہے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انیس ناگی پر کافکا، کامیو، سارتر، پابلو نرودا اور سینٹ جان پرس کے گہرے اثرات رہے، جن کا خاص موضوع انسان کی تنہائی ہے۔

ناول ''میں اور وہ'' الجزائر میں مقیم ایک پاکستانی کی کہانی ہے جو وہاں رہنا چاہتا ہے ، خاندان کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہے۔ مگر اسے بہت مشکلات کا سامنا ہے اور اکثر اوقات اپنے آپ سے الجھتا ہے کہ ''میں کہاں سے چلا تھا اورکہاں آ گیا؟'' انسانی رشتوں سے اکتائے ہوئے اس مضطرب اور جھنجھلائے ہوئے اس کردار کے بارے میں ڈاکٹر وحید قریشی کا کہنا ہے:

''وہ بیک وقت دو دنیائوں کا باشندہ ہے ۔ وہ پاکستانی بھی اور غیر پاکستانی بھی ہے۔ وہ لاہور کا شہری بھی اور لندن اور پیرس کا شہری بھی ہے۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن بھی ہے اور اپنی ذات کا دشمن بھی ۔ وہ بیوی بچوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے والا انسان بھی ہے اور ان کے ماحول سے الگ تھلگ بھی۔ اسے ان سے محبت بھی ہے اور نفرت بھی۔ لیکن نفرت کو بھی دوسری شکلیں دینے پر مُصر ہے کہ یہ نفرت اس کی ذات کا حصہ بھی ہے اور نہیں بھی۔ وہ نفرت کو لاتعلقی اور لایعنیت کے کیپسول میں بند کر دیتاہے اور سمجھتا ہے کہ اسے کسی سے نہ ہمدردی ہے اور نہ نفرت ، ایک صوفیانہ علیحدگی ہے۔ لیکن وہ صوفی بھی نہیں ہے صوفی بننے کے لیے جس ریاضت اور خود آگاہی کی ضرورت ہے وہ اس سے بھی ناواقف ہے۔''(۱۱(

''دیوار کے پیچھے'' اور ''میں اور وہ'' کے مرکزی کرداروں کے حوالے سے انیس ناگی کی ماحول اور حالات سے ناراضی اور نفرت بے وجہ نہیں ہے۔ وہ بچپن میں بہن بھائیوں کی وافر تعداد میں موجودگی اور اپنے والد کے بے حد درشت رویہ سے پریشان رہے۔ انیس ناگی نے ''ایک ادھوری سرگزشت'' کے ابتدائیہ پر درج کیا ہے:

''اگر میرے والد مہربان ہوتے تو میں ان کے سائے کی انگلی پکڑ لیتا لیکن میں تو دائمی ہراس میں تھا۔ ان کا نام ابراہیم تھا اور میں ان حالات میں اسماعیل کیسے بن سکتا تھا؟''(۱۲(

اس کی تفصیل بھی جان لیجئے۔ انیس ناگی لکھتے ہیں:

''میری اپنے آپ سے یا حالات سے ناراضگی بے وجہ نہیں ہے۔ جب تقدیر، تدبیر کا راستہ روک لے تو پھر دو ہی راستے ہیں سر تسلیم خم یا بغاوت۔ دونوں راستے ہلاکت کی طرف جاتے ہیں۔ ایک بتدریج اور دوسرا ناگہانی۔ میں دونوں میں سے کوئی راستہ منتخب نہ کر سکا اس لیے ناطاقتی کی بڑبڑاہٹ اور اپنے اندر سلگتے رہنے کے عارضے میری زندگی کے ساتھ سائے کی طرح چلتے رہے۔''(۱۳(

ناول نگار کی اسی شخصی حالت اور حالات کی عکاسی ان کے تمام ناولوں میں نظر آتی ہے۔ انیس ناگی کے یہ بے چین اور زندگی سے نامطمئن کردار، زندگی کی محرومیوں، ٹوٹے ہوئے خونی رشتوں،

معاشرتی نا انصافیوں اور نفسیاتی الجھنوں سے متعلق اپنے قول و فعل کے ذریعے بہت سے سوالات اٹھاتے ہیں۔ بہ طور خاص، ماحولیاتی جبر تو ان کے ہر ناول میں دکھائی دیتا ہے۔

ڈاکٹر ممتاز احمد خان نے ''میں اور وہ'' کے مرکزی کردار کو ''دیوار کے پیچھے'' کے پروفیسر سے ملتا جلتا کردار قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

)''یہ ہیرو) کم و بیش اُس نفسیاتی فریم ورک سے تعلق رکھتاہے جیسا کہ ''دیوار کے پیچھے'' کا پروفیسر ہے۔ دونوں پر وجودی لمحات گزرتے ہیں اور دونوں قنوطیت کا شکار معلوم ہوتے ہیں۔''(۱۴(

''دیوار کے پیچھے'' کا ہیرو کہتا ہے:

''میری نسل بیمار نسل ہے۔ اس کے پاس سوچنے کے لیے کچھ نہیں۔ یہ عہدِ زوال ہے۔''(۱۵(

اور ''میں اور وہ'' کا ہیرو کہتا ہے:

''میرا وجود میرا شعور ہے اور میرا شعور میری سزا ہے۔''(۱۶(

یہی سبب ہے کہ انیس ناگی کی ناولوں کے اکثر کردار چیخ چیخ کر خبردار کرتے ہیں کہ اگر انسانی حقوق بحال نہ کیے، معاشی تحفظ نہ دیا گیا اور شعوری آزادی کو اسی طرح سلب کر کے رکھا گیا تو اس پورے عہد کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ جب کہ ان ناولوں کے کرداروں کا ایک اہم پہلو اُن کی خود پسندی اور ازدواجی زندگی کی ناآسودگی ہے۔ بعید نہیں کہ یہ ناول نگار کی اپنی ذات کا عکس ہو۔

''میں اور وہ'' کی حد تک تو یہ بات سو فیصد درست ہے کہ کردار اندر سے تنہا ہے اور اس نے اپنے اوپر ایک خول چڑھایا ہوا ہے۔ اس کی ایک خود کلامی ملاحظہ ہو:

''میں تنہائی سے عاجز ا چکا تھا، میری خاموشی بے لذت ہو چکی تھی۔ دراصل مجھے ایسے فرد کی ضرورت تھی جو میری بات سن سکے، میری بات سمجھ سکے۔ پھر مجھے عورت نہیں، سیکرٹری کی ضرورت ہے۔ تیس سال کی عمر میں زندگی سے کچھ خوف آنے لگتا ہے میں غالباً اب کچھ ابنارمل یا سب نارمل ہوں۔''(۱۷(

اُسے عورت نہیں سیکرٹری کی ضرورت ہے...، ایک میکانکی رشتے کی طلب ہے۔ ایسے ہی ابنارمل رشتوں کی ضرورت اور طلب اس ناول کی تخلیق کی بنیادہے۔ ''میں اور وہ '' کا منظر نامہ الجزائر سے متعلق ہے۔ یوں ناول نگار نے دوسرے ملک میں جیسی زندگی کو جس حد تک دیکھا، وہ رقم کر دیا۔

ڈاکٹر وحید قریشی کا کہنا ہے:

''انیس ناگی کے پسندیدہ مصنفین اسے وجودیت کے فلسفیانہ پہلو دکھاتے ہیں، ان کے ہاں ٹھوس حقائق اسے بار بار پریشان کرتے ہیں۔ وہ جنسی تجربے کی لذّت سے واقف ہے، لیکن اس کا اقرار کرنے پر آمادہ نہیں۔ وہ جنسی ہیجانات کو کرداروں کے حوالے سے دباتا چلا جاتاہے۔ اسے تو ان کی موجودگی کا اقرار بھی پسند نہیں، اس کے ناولوں میں عورتیں بے جان پتلیاں بن کر رہ جاتی ہیں۔ وہ عورتوں کے باطن میں داخل نہیں ہونے پاتا بلکہ سرسری طور پر ان سے مس ہو کر آگے نکل جانے میں عافیت پاتا ہے۔''(۱۸(

وجودیت کے فلسفے سے گہری رحبت کے سبب انیس ناگی کے ہیرو 'اینٹی ہیرو' ہیں اور وہ سارتر، کامیو اور آندرے ژید کے کرداروں کے بدلے ہوئے روپ ہیں یا انیس ناگی کی ذات کے پرتو۔ تیسری دنیا کے مسائل پر انیس ناگی کی نظر بہت گہری ہے۔ روزی روٹی کے الجھیڑے، سرمایہ دارانہ نظام کی جکڑ بندیاں، فکر کی پستی اور کچلے ہوئے عوام کی بے عملی کچھ ایسے مسائل ہیں، جن کی نوحہ خوانی انیس ناگی کے سبھی ناولوں میں دکھائی دیتی ہے۔ نیز تیسری دنیا کو درپیش مسائل کو ین الاقوامی تناظر میں دیکھنے اور پرکھنے کا رویہ انیس ناگی کو ایک اہم ناول نگار بنا دیتا ہے۔

ناول نگار کو اس چیز کا اچھی طرح ادراک ہے کہ چھ انچ کی زبان سے کیا کیا کام لیا جا سکتا ہے اور بدتمیز سینہ زور ہمیشہ کامران رہتے ہیں۔ انیس ناگی نے ایک حساس شخص کی آنکھ سے جو کچھ دیکھا اسے بیان کر دیا۔ ان کے ہیرو بھی حد درجہ حساس ہیں۔ جو ظاہری طور پر کٹ تو سکتے ہیں مگر جھک نہیں سکتے۔ ناول ''میں اور وہ'' میں رضا کے علاوہ باقی کردار دھندلے دھندلے ہیں۔ لیکن انیس ناگی نے ''میں اور وہ ''کی کہانی کو تیسری دنیا تک پھیلا کر اپنے ناول کا منظر نامہ وسیع کر لیامعلوم ہوا کہ سرمایہ دار تیسری دنیا میں بھیانک کھیل کھیل رہا ہے۔ عوام کی حیثیت کیڑے مکوڑوں کی ہے ۔ ترقی یافتہ ممالک رواداری کے دشمن اور ریاکاری کے فن میں طاق ہیں۔ یوں مصنف نے ان حقائق سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے جس کی طرف عام لوگ توجہ نہیں دیتے۔

انیس ناگی کا تیسرا ناول ''زوال'' (۱۹۸۹ء)میں شائع ہوا۔ یہ بھی ایک طرح ان کے پہلے دو ناولوں کا تسلسل ہے۔ اس ناول میں وہ کوئی نئی بات نہیں کہہ سکے۔ یہ ناول آج کے تناظر میں جینے کا ڈھنگ نہ اپنانے والوں کی داستان غم ہے۔ اس میں بھی فرد کی بے بسی اور ذہنی کرب دکھایاگیاہے۔ یہ پاکستان کے ایک ایسے افسر کی کہانی ہے جس کے پاس اتنے زیادہ اختیارات نہیں کہ وہ مالدار ہو سکے۔

اس ناول میں زوال کئی طرح کا ہے۔ سیاسی نظام کا زوال، انسانی اقدار کا زوال اور سماجی نظام کا زوال۔ یہ علامات اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ قیام پاکستان کے بعد ستّر سالوں میں یہاں جو معاشرہ ترتیب پایا ہے وہ ناہموار ہے، جسے انصاف کی بنیادوں پر استوار نہیں کیا گیا۔ یہ اس افسر کی کہانی ہے جو معاشی بدحالی کا شکار ہے ۔ وہ ایک ایسے نظام کا حصہ ہے جس میں ایک متوسط طبقے کے فرد کے لیے کوئی جگہ نہیں ۔ اس کے علاوہ ناول ''زوال'' میں جو کچھ ہے ، وہ ناول کے ہیرو احسن کی صورت خود انیس ناگی کی زندگی کی جھلکیاں ہیں۔ وہ محرومیاں ہیں، جن کا سامنا انیس ناگی کو کرنا پڑا۔ ''زوال'' کے مرکزی کردار احسن کو ٹھیک طرح سمجھنے کے لیے انیس ناگی کی آپ بیتی ''ایک ادھوری سرگذشت'' پر ایک نظر ڈالنا از بس ضروری ہے۔ انیس ناگی اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں:

''میں بچپن ہی سے طرح طرح کی محرومیوں کا شکار تھا۔ میرے والد میرے سوا اپنے ہر بیٹے کے لیے سفر کے دوران خریدا ہوا کوئی تحفہ لاتے، میں ان کی طرف دیکھتا تو وہ خاموش ہو جاتے۔ اگر میں دبے لفظوں میں احتجاج بھی کرتا تو وہ بے حد درشت زبان استعمال کرتے۔ وہ اتنے غصیلے تھے کہ میں نے ابھی تک اس مزاج کا آدمی کہیں نہیں دیکھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے انتقال کے بعد ان کا کوئی نقش میرے تخیل پر مرتسم نہیں ہے۔ ان کی کوئی بات بھی مجھے یاد نہیں ہے نہ ہی وہ مجھے خوابوں میں ملتے ہیں۔''(۱۹(

انیس ناگی کی بیگم عفّت انیس کہتی ہیں:

''انیس کی شخصیت پر بچپن کے احساس کمتری نے پوری عمر غلبہ رکھا۔ اس لیے خود پسند انسان اور ذات میں گم رہنے والا بندہ بن گیا۔ انیس خود سے اتنی شدید محبت کرتا تھا کہ اس نے اہل خانہ کے ساتھ محبت بانٹنے کی کبھی شعوری کوشش نہ کی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہمہ وقت نالاں اور ناراض رہتا تھا۔ محرومی کے گلے شکوے کرنا اور اپنی غلطیوں پر دوسروں کو مورد الزام ٹھہرانا اس کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔''(۲۰(

یہی وجہ ہے کہ ناول ''زوال '' کے ہیرو ناول ''دیوار کے پیچھے'' کے پروفیسر اور ''میں اور وہ'' کے مرکزی کردار کا تسلسل لگتاہے۔ تنگ دستی نے احسن کے ذہن پر ایسا دبائو ڈالا کہ وہ ناول ''دیوار کے پیچھے'' کے پروفیسر کی طرح شدید داخلی کرب اور ذہنی انتشار کا شکار نظر آنے لگا۔ ''دیوار کے پیچھے'' کے پروفیسر کو مصائب نے ذہنی مریض بنا دیا تو ''زوال'' کے احسن کو ذہنی مرض کے علاوہ جسمانی امراض میں بھی مبتلا کر دیا۔ ان امراض کی تشخیص کے سلسلہ میں وہ بے شمار ڈاکٹروں کے پاس گیا لیکن ان کے علاج سے وہ مطمئن نظر نہیں آتا۔ اس لیے کہ اُن میں سے کوئی ایک بھی اس کے شدید داخلی کرب کو نہ سمجھ سکا تھا۔ درحقیقت وہ بیمار معاشرے کا ایک مایوس ، بے چین اور بیزار فرد ہے جس میں اس معاشرے سے ٹکرانے کی ہمت نہیں۔ وسائل کی کمی کی وجہ سے وہ بنیادی ضروریات کو بھی پورا نہیں کر سکتا۔ بچپن سے لے کر اب تک وہ اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشیں بھی پوری کرنے سے قاصر رہا۔ ناول ''زوال'' کے حوالے سے محمد سلیم الرحمان لکھتے ہیں:

''زوال سفاکانہ حد تک بے لاگ ہے۔ جس میں ایک ڈھلتی ہوئی عمر کے بیوروکریٹ کے بتدریج بے رحمانہ ذہنی اور جسمانی انتشار کو بڑے مؤثر طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔ اس کے ہیرو کی پیہم علامت ایک مداخلت کار معاشرے کی بدولت انتہا پر پہنچ جاتی ہے اور سے ملبے کا دھیر بنا دیتی ہے۔''(۲۱(

موضوع کی سطح پر ناول ''زوال'' میں مقامی ڈاکٹروں کے مافیا کے خلاف فرد جرم مرتب کی گئی ہے۔ انیس ناگی نے طب کے پیشہ کو ایک بھنور قرار دیاہے۔ جو مریض اس کے اندر پھنس جاتاہے، وہ کبھی باہر نہیں نکل سکتا یا پھر وہ اس میں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر باہر نکلتا ہے۔

۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۹ء تین ناول لکھ چکنے کے بعد انیس ناگی نے موضوعاتی سطح پر یکلخت پلٹا کھایا اور تاریخ کی طرف نکل گئے۔ ان کا ناول ''ایک گرم موسم کی کہانی'' (۱۹۹۰ء) ، جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) سے متعلق ایک نقطۂ نظر ہے، جو خاصے کی چیز ہے۔ اس ناول سے متعلق ڈاکٹر خالد اشرف رقم طراز ہیں:

''اس سے قبل انقلاب کی جو تواریخ تصنیف کی گئی ہیں ان میں عام طور پر غداروں کی سیاہ کاریوں کو تو پیش کیا جاتا رہا ہے لیکن عام آدمی کی ظالمانہ بے حسی اور اقتدار کے آگے سر جھکانے کی غلامانہ ذہنیت کو ''ایک گرم موسم کی کہانی'' میں نہایت صاف گوئی کے ساتھ پہلی بار موضوع بنایا گیاہے۔''(۲۲(

تاریخ سے شغف کی دوسری مثال انیس ناگی کا ناول : ''ایک لمحہ سوچ کا'' (۱۹۹۱ء) ہے۔ یہ ناول سقوط دہلی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں بہادر شاہ ظفر کی معزولی، حراست اور المیہ زندگی کا بیان ہے۔ ناول کا مرکزی کردار ''رحمن'' ایک خاص ذہنی کیفیت کے نتیجہ میں دو سو سال پرانی دلّی میں جا نکلتا ہے اور ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۸ء تک پیش آنے والے واقعات سے متعارف کرواتا ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ کیا حالات و واقعات پیش آئے ۔ نیز انگریزوں کے مظالم نے دلّی کی معاشرتی، سماجی اور ثقافتی زندگی کو کس طرح تہس نہس کر دیا۔ یہ اس ناول کا موضوع ہے اور ازحد مصدقہ معلومات کے تحت ضابطہ تحریر میں لائے گئے حقائق ہیں۔ اس لیے کہ انیس ناگی اُس زمانے میں بہ طور ڈپٹی سیکرٹری، پنجاب سول سیکرٹریٹ کے ریکارڈ آفس کے انچارج تھے۔

ناول ''محاصرہ'' (۱۹۹۲ء) بھی تاریخ سے متعلق ہے، جس میں ۱۹۴۷ء تا ۱۹۹۲ء چوہتر سالوں پر نظر ڈالی گئی ہے۔ منظر نامہ پاکستان کا ہے۔ جس میں تمام کردار محصور دکھائی دیتے ہیں۔ سلیم، سہیل، کوثر، شگفتہ اور محمود انسانوں سے ناانسانوں میں ڈھلتے جا رہےabsurd کردار ہیں اور انہیں اس حالت تک ملکی سطح پر پروان چڑھنے والی منافقت اور ناانصافی کی فضا نے پہنچایاہے۔

ناول :''قلعہ'' ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔ یہ ناول : ''محاصرہ'' کی اگلی کڑی ہے، جس کے کردار نیکی اور بدی کی کش مکش میں مبتلا ہیں۔ یہ شراب پیتے ، زنا کرتے اور رشوت لیتے ہیں۔ اس کے باوجود ایک نامعلوم سچائی کی طرف جاتے ہیں، جسے ''ارضِ پاک'' سے محبت کا نام دیتے ہیں۔ اس ناول میں انیس ناگی نے لاہور کو ''ایک جہنمی شہر'' قرار دیاہے جس کی جڑوں کو کاٹا گیا اور کرپشن نے اس کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا۔ ناول میں ''قلعہ'' محفوظ جائے پناہ کی بجائے لوٹ کھسوٹ اور انسانی فطرت کے منفعل ہونے کی نمائش گاہ ہے اور حصول زر میں مبتلا لوگوں کا گھر۔ انیس ناگی نے اسے مختلف الجہات معانی دیئے ہیں۔

''چوہوں کی کہانی'' (۱۹۹۵ء) طاعون کی وباء سے متعلق ناول ہے۔ اسے کامیو کے ناول ''دی پلیگ '' کے مماثل قرار دیا جاتا ہے لیکن کامیو کے ناول ''طاعون'' اور انیس ناگی کے ناول: ''چوہوں کی کہانی'' میں چوہوں کے سوا کوئی قدر مشترک نہیں۔ البتہ اس ناول میں ایک دو مرتبہ البیرکامیو کے ناول کا ذکر ضرور کیا گیاہے۔ اس میں طاعون کا ذکر اصلی جب کہ کامیو کے ناول میں علامتی ہے۔ ہندوستان کے مشہور سُورت میں طاعون کی وباء پھیلی اور اس کا خدشہ پاکستان میں بھی محسوس کیا گیا۔ طاعون کی دہشت کے حوالے سے لوگوں کی نفسیات کا مطالعہ بہت اچھی طرح کیا گیا ہے۔ مرکزی کردار میونسپل آفیسر ہے جو ہندوستان جاتا تو سیاحت کی غرض سے ہے ، لیکن وہاں پر جاسوسی اور طاعون کے جراثیم اپنے ساتھ لانے کے جرم میں پکڑا جاتاہے۔

دوسرا اہم کردار انڈیئن ڈاکٹر شنکر کا ہے۔ ناول کے آخر میں طاعون کا خطرہ ٹل جانے کے بعد مرکزی کردار کے کمرے کے آتش دان پر بیٹھی ایک چوہیا کتاب کتر رہی ہوتی ہے ۔ وہ کمرے میں داخل ہوتا ہے تو چوہیا اسے دیکھ کر بھاگ جاتی ہے۔ جب وہ غور کرتا ہے تو وہ کامیو کا ناول ''پلیگ'' ہے۔ یوں یہ ناول تیسری دنیا کے معاشرتی نظام کا المیہ سامنے لاتا ہے۔

ناول : ''کیمپ'' (۱۹۹۸ء) سوویٹ یونیئن اور افغانستان کی جنگ کے نتیجہ میں پاکستان ہجرت کر کے آئے ہوئے افغان مہاجرین اور ان کے پاکستان میں قائم کردہ کیمپوں کی زندگی کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ایک طرف پاکستان، امریکہ کی شہ پر سوویٹ یونیئن کے خلاف سرگرم عمل ہے تو دوسری طرف افغان مہاجرین پاکستان کی معیشت پر بوجھ بن کر اس کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں لگے ہیں۔ پورے ناول میں اسی پراسرار اور بے معنی جدوجہد کو موضوع بنایا گیاہے۔

ناول: ''ناراض عورتیں'' ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔ یہ زن بے زار اور جنسی کمزوریوں کے شکار مردوں کی نفسیات کا مطالعہ پیش کرتا ہے۔ خود کلامی کی تکنیک میں تحریر کردہ اس ناول میں متعارف کردہ عورتیں، جنسی ناآسودگی کا شکار ہیں اور اپنے منکوحہ مردوں سے بے زار۔

اس کے بعد انیس ناگی کا ناول ''پتلیاں'' سامنے آیا جو وجودیت کے حوالے سے ایک اہم ناول ہے۔

اس ناول کے تمام کرداروں کا تعلق تیسری دنیا سے ہے اور یہ تمام کے تمام کردار معاشرے میں پائی جانے والی بے رحمیوں اور اسفل سطح کی سفاکیوں کا شکار ہو کر خود سے اور معاشرے سے بے گانہ ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض کردار زندگی کی لایعنیت سے فرار اختیار کرنے کی خاطر موت کو ترجیح دیتے ہیں۔

ناول ،پیرابل کی تکنیک میں لکھا گیاہے۔ اس لیے جبر کی ایک نہ ختم ہونے والی صورت حال ہے جس کے تحت ناول کے تمام آزردہ اور مصیبتوں کو سہتے ہوئے انسانی کردار، کٹھ پتلیوں کی صورت بے معنی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ان مرد و زن میں زیادہ طاقتور نسوانی کردار ہیں، جو دوہری اذیت کا شکار ہیں۔ ایک وہ اذیت جو تمام مرد و زن سہہ رہے ہیں اور دوسری وہ اذیت، جو نسوانی کرداروں کو ناکارہ مردوں کی وجہ سے سہنی پڑ رہی ہے۔

ناول: ''۳۱۳ بریگیڈ'' کا موضوع بین الاقوامی دہشت گردی ہے۔ اور اس حوالے سے یہ اردو کا پہلا ناول ہے۔ ناول میں انسنای وجود کی ماہیت ، عالمی دہشت گردی اور پاکستان کی معاشرتی صورت حال سے متعلق بہت سے سوالات اٹھائے گئے ہیں۔

''۳۱۳ :بریگیڈ '' کا عنوان گہری معنویت کا حامل ہے۔ غزوئہ بدر میں یہی تعداد تھی مسلمان سپاہیوں کی۔ اب ''۳۱۳: بریگیڈ'' ایک مخصوص فوجی دستہ ہے، جو خودکش حملہ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس ناول میں بڑی چابکدستی سے خود کلامی، داستان گوئی اور روزنامچہ رقم کرنے کی تکنیک کو برتا گیا ہے۔

انیس ناگی کا آخری ناول :''سکریپ'' ۲۰۱۰ء میں سامنے آیا جو ایک غیر مربوط سا ناول ہے۔ اس مختصر ناول میں مرکزی کردار آواگون کے سفر کا تجربہ کرتادکھائی دیتا ہے۔ ایک سرکاری ملازم اپنی حساسیت کے باعث اپنے ہم جنسوں میں ناقابل قبول لیکن اپنی مرضی کی زندگی کا خواہش مند ہے۔ وہ ان بے چہرہ شباہتوں کے درمیان رہ کر خود سے شناسائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کی زندگی کا انتشار آہستہ آہستہ اسے سکریپ میں تبدیل کر رہا ہے۔ ایسے میں وہ سوچتا چلا جاتا ہے کہ 'سکریپ بُک' ایک کار آمد شے ہے جو بے ترتیبی سے ترتیب دی گئی ہے۔ یہ ترتیب از سر نو تخلیق کی خواہش سے مزیّن ہے۔

انیس ناگی نے یہ ناول اس وقت لکھا، جب شعبۂ اُردو، جی سی یونی ورسٹی، لاہور سے انہیں بے دخل کر دیاگیا۔ اس لیے اس ناول میں انیس ناگی ایک حد درجہ غصیل شخص کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ اس ناول میں اس دور کے وائس چانسلر ڈاکٹر خالد آفتاب کے بارے میں سخت زبان برتی گئی ہے اور شاید یہی غصہ ''ینگ اینگری مین، انیس ناگی' ' کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔

حوالہ جات:

)۱(انیس ناگی، دیوار کے پیچھے، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، طبع دوم ،۱۹۸۶ء، ص ۴

)۲(قاضی جاوید، ''دیوار کے پیچھے''، (تجزیہ) مشمولہ انیس ناگی ایک وجودی ناول نگار ، مرتبہ:زاہد مسعود، لاہور: حسن پبلی کیشنز، طبع اول ،۱۹۹۷ء، ص۷

)۳(ایضاً ، ص۸

)۴(انیس ناگی، دیوا ر کے پیچھے، طبع دوم، ص ۱۶۷

)۵(ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، ''دیوار کے پیچھے''(تجزیہ)، مشمولہ انیس ناگی ایک وجودی ناول نگار، مرتبہ: زاہد مسعود، ص ۱۷

)۶(پاسٹرناک، بورس (انٹرویو) نیو یارک ٹائمز ، فروری ۱۹۵۹ء

)۷(انیس ناگی،دیوار کے پیچھے، ص ۱۷۶

)۸(خالد اشرف، ڈاکٹر، برصغیر میں اردو ناول، لکھنؤ: نصرت پبلشرز، طبع اول، ۱۹۹۵ء، ص۸۱، ۸۲

)۹(انیس ناگی، دیوار کے پیچھے، ص۱۱۵

)۱۰(ایضاً ، ص ۲۱۶

)۱۱(وحید قریشی، ڈاکٹر، ''میں اور وہ'' (تجزیہ) مشمولہ انیس ناگی ایک وجودی ناول نگار ، ص۲۷

)۱۲(انیس ناگی، ایک ادھوری سرگذشت (آپ بیتی)، لاہور: جمالیات، طبع اول، ۲۰۰۸ء، ص ندارد

)۱۳(ایضاً ، ص،۱۱

)۱۴(ممتاز احمد خان، ڈاکٹر،''میں اور وہ''(تجزیہ) ، کراچی : قومی زبان، بابت: جنوری ۱۹۸۹ء، ص۲۴

)۱۵(انیس ناگی، دیوار کے پیچھے، ص۲۶۱

)۱۶(انیس ناگی، میں اور وہ ، ص ۱۰۳

)۱۷(ایضاً ، ص ۲۳

)۱۸(وحید قریشی، ڈاکٹر: ''میں اور وہ'' (تجزیہ) مشمولہ انیس ناگی ایک وجودی ناول نگار، ص ۶۷

)۱۹(	انیس ناگی، ایک ادھوری سرگذشت، ص ۱۳

)۲۰(	عفّت انیس: ’’انیس ناگی‘‘ (مضمون) ، مطبوعہ: دانش ور ، لاہور: بابت ۲۰۱۱ء، ص ۹۵

)۲۱(	محمد سلیم الرحمان: انیس ناگی کا ناول ’’زوال‘‘(مشمولہ) انیس ناگی ایک وجودی ناول نگار، ص ۳۸

)۲۲(	خالد اشرف، ڈاکٹر، برصغیر میں اردو ناول، ص ۳۴۳

/....../